اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

دُرِ ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دُور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار، ایک جذبے کے کتنے اظہار ... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کُن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 4

سارہ نے صبح کالج جاتے ہوئے کاجل اور لپ اسٹک اپنے بیگ میں رکھ لی تھی اور خوب صورت سی وہ قیمتی بالیاں جو اس نے پچھلی عید پر تین سو کی خریدی تھیں وہ بھی بیگ میں رکھ لی تھیں۔

آج وہ ذہنی طور پر اسجد کے ساتھ باہر جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ ذویا اسکول کے لیے گھر سے نکل چکی تھی۔

''اچھا اماں میں کالج جا رہی ہوں۔'' سارہ نے چادر سر پر لیتے ہوئے سیما بیگم کو اطلاع دی۔

''سارہ میری آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے، لگتا ہے بلڈ پریشر ہائی ہے میرا...... تو ایسا کر مجھے ایک کپ چائے بنا دے۔'' سیما بیگم گلو کے لاپتا ہونے کے باعث پریشانی سے بیمار پڑ گئی تھیں۔

''اماں، چائے بناتے، بناتے مجھے کالج جانے میں دیر ہو جائے گی۔ آج تو صبح سے سوئی گیس بھی بہت کم آ رہی ہے......'' سارہ نے بیگ اور اپنی فائل اٹھاتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

''ایک تو ان کم بختوں نے جان عذاب میں ڈال رکھی ہے پہلے بجلی کی لوڈشیڈنگ ہوا کرتی تھی اب بجلی کے ساتھ، ساتھ گیس بھی بند کر دیتے ہیں نامراد کہیں کے۔'' سیما بیگم غصے میں بولیں۔

''سن آج تجھے بھی بڑی جلدی ہے کالج جانے کی...... ابھی تو آٹھ بجے ہیں۔''

''اماں کالج جاتے ہوئے مجھے پندرہ بیس منٹ لگتے ہیں۔ اور ویسے بھی آج جس ٹیچر کا پہلا پیریڈ ہے وہ بہت سخت ٹیچر ہیں۔ پانچ منٹ بھی دیر ہو جائے تو پوری کلاس کے سامنے بے عزتی کر دیتی ہیں......'' آج سارہ بڑی روانی سے جھوٹ پہ جھوٹ بول رہی تھی۔ صرف اسجد کے لیے۔

''اچھا چل جا پھر...... تیرے ابا اپنے والدین کی قبر پر تلاوت کرنے گئے ہیں وہ آتے ہیں تو انہیں کہہ دوں گی۔ مجھے ایک کپ چائے بنا دیں گے۔''

''اماں آپ سے ایک بات کہنی تھی۔'' وہ التجائیہ انداز میں کہتی ہوئی ان کے پاس پلنگ پہ بیٹھ گئی۔

''کون سی بات؟''

''اماں وہ میری سہیلی ہے ناں حنا...... وہ کچھ دنوں سے بیمار ہے اور کالج نہیں آ رہی...... کلاس کی دو تین لڑکیاں کالج سے چھٹی کے بعد اس کے گھر اس کا پتا کرنے جا رہی ہیں۔ میں بھی ان لڑکیوں کے ساتھ حنا کو دیکھ آؤں؟''

''ہاں چلی جانا مگر زیادہ دیر نہ لگانا...... ورنہ تیرے ابا سوال پہ سوال کر کر کے میری جان کو آ جائیں گے کہ سارہ کہاں گئی ہے؟ کالج سے ابھی تک آئی کیوں نہیں؟ کس سہیلی کے گھر گئی ہے؟ وغیرہ، وغیرہ......'' سیما بیگم نے اسے تنبیہ کی۔

''جی اماں مجھے پتا ہے، میں چھٹی کے بعد بس گھنٹے ڈیڑھ تک آ جاؤں گی۔'' سارہ پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا ٹھیک ہے، باہر کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر جانا۔''

''اچھا اماں اللہ حافظ!''

سارہ ان سے اجازت لے کر گھر سے نکل گئی تھی۔ آج وہ تیز، تیز قدم اٹھاتی کالج کی طرف روانہ تھی۔

سیما بیگم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ آج سے پہلے وہ کبھی اتنے شوق سے اور اتنی جلدی میں کالج جانے کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔ ایک بے چینی تھی، ایک انتظار کی کیفیت تھی جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

کالج میں بھی اس نے غائب دماغی سے تمام کلاسز اٹینڈ کی تھیں۔ آخری پیریڈ بنک کرنے کے بعد وہ کالج کے وسیع لان میں ایک درخت کے نیچے آ بیٹھی۔ سارہ نے اپنے بیگ میں سے چھوٹا سا مرر نکالا پھر کاجل نکال کر اپنی

بڑی، بڑی خوب صورت آنکھوں میں کاجل لگانے لگی۔ ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگانے کے بعد بیگ سے بالیاں نکال کر پہننے لگی۔

اسی اثنا میں چھٹی کی گھنٹی سنائی دی۔

سارہ نے جلدی سے بیگ اور فائل اٹھائی۔ چادر کو سر پہ لیا اور گیٹ کے قریب آ گئی۔

لڑکیاں ٹولیوں کی صورت میں گیٹ سے باہر نکلنے لگیں۔ سارہ نے گیٹ سے باہر جھانکا مگر اسے اسجد کہیں دکھائی نہ دیا۔

وہ اندر آ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے گیٹ سے دوبارہ باہر جھانکا۔ اس بار بھی اسے مایوسی ہوئی۔ اسجد کہیں نظر نہ آیا......

''بھئی کہاں غائب تھیں سارہ! آج آخری پیریڈ ہی نہیں لیا تم نے؟'' اس کے عقب میں کھڑی حنا اس سے پوچھ رہی تھی۔

سارہ نے چونک کر بے اختیار حنا کی طرف رخ موڑا۔

''واہ بھئی...... بڑے میک اَپ شیک اَپ...... کہاں کی تیاری ہے؟'' حنا نے رازداری سے پوچھتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔

''کک کہیں نہیں...... آج بس دل چاہا تو کاجل لگا لیا۔'' سارہ ہڑبڑائی۔ اس نے کبھی حنا سے جھوٹ نہیں بولا تھا...... اور وہ ہمیشہ سادہ سی کاجل یا لپ اسٹک کے بغیر ہی کالج آیا کرتی تھی۔

''دل ایویں ہی تو نہیں چاہتا میری جان...... یہاں جب لڑکیاں اس طرح تیار ہو کر گیٹ کے پاس کھڑی ہوتی ہیں تو تم اچھی طرح سے جانتی ہو وجہ کیا ہوتی ہے؟ اور تمہیں تو میں تین سال سے جانتی ہوں...... سچ، سچ بتاؤ...... کسی لڑکے کے چکر میں ہو؟'' حنا نے مسکراتے ہوئے رازداری سے اس سے پوچھا۔

''پتا نہیں...... چلو اب گھر چلتے ہیں۔'' سارہ نروس ہو چکی تھی۔

''پتا تو خیر مجھے چل ہی جائے گا...... یہ بتاؤ جو لڑکا روز ہمارے پیچھے آتا ہے کہیں اسی سے افیئر تو نہیں چل رہا تمہارا؟''

''ہاں وہی ہے، محبت کا دعویٰ کرتا ہے مجھ سے......'' وہ دھیرے سے اعتراف کرنے لگی کیونکہ حنا سے اب مزید کچھ چھپانا بالکل فضول تھا۔

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی کالج گیٹ سے باہر نکل آئیں۔ سارہ نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ اسجد کہیں ہوتا تو دکھائی دیتا۔

''اچھا...... تو ہمارے گروپ کی انوشے تو خواہ مخواہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ لڑکا اس کے پیچھے آتا ہے۔'' حنا مسکرائی۔

اب کے سارہ خاموش رہی...... باقی کا راستہ ایسی ہی چھوٹی موٹی باتوں میں طے ہو گیا تھا۔ سارہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا...... آج پہلی بار اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے...... مگر اس نے ایسا کیا نہیں تھا...... آہستہ، آہستہ سب لڑکیاں اپنے، اپنے گھروں کو روانہ ہو گئی تھیں۔ حنا کا گھر سارہ کے گھر سے پہلے دو گلیوں کے فاصلے پر تھا......

اب سارہ اکیلی رہ گئی تھی...... اس نے اپنی رفتار آہستہ کر دی...... اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس بار بھی مایوسی نے

اس کے دل کو اور پریشان کر دیا تھا۔ نہ جانے وہ اسے کیوں ستا رہا تھا...... کیوں اس کو خفگی دکھا رہا تھا؟ اب سارہ راستے میں ہی ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی تھی۔ آٹھ دس منٹ اس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنے کے باوجود وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ ایک بار پھر مرے مرے قدموں سے چلنے لگی۔ اس کا دل ہر اٹھتے قدم کے ساتھ ڈوب رہا تھا۔ اس نے اپنی چادر کے پلو سے لپ اسٹک صاف کر لی اور بالیاں اتار کر بیگ میں رکھ لیں۔ اس کا گھر اب ایک گلی کے فاصلے پر تھا...... اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ اسجد اس سے ناراض ہو گیا۔ سارہ کے دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا...... وہ مرے قدموں سے اپنی گلی میں داخل ہو چکی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے...... اس نے گھر کا دروازہ بجایا۔ جہاں داخل ہوتے ہی اسے ہمیشہ کی طرح نئی پریشانیوں کا سامنا کرنا تھا۔

☆☆☆

ایشال کمرے میں داخل ہوئی تو پنو...... عنایہ کے ہاتھ پیروں پہ لوشن لگا رہی تھی...... ''کیسی ہو تم......؟'' ایشال نے منہ پھلائے بیڈ پر لیٹتے ہوئے بے دلی سے پوچھا۔

''ہم تو ٹھیک ہیں مگر لگ رہا ہے کہ تم ٹھیک نہیں ہو؟'' عنایہ نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے ایشال کو دیکھا۔

''ہاں میں بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں...... اور آج کا دن بھی بہت برا گزرا ہے میرا...... اور عمر بھائی کے سامنے آج مجھے بہت embarrasment فیل ہوئی۔'' ایشال نے اپنے ٹیڈی بیئر کو خود سے لپٹاتے ہوئے بتایا۔

''کیوں بھئی ایسا کیا ہو گیا آج؟'' عنایہ ہنوز مسکراہٹ چھپائے پوچھ رہی تھی۔

''عنایہ، جو آج میرے ساتھ ہوا ہے ناں...... اللہ کرے وہ کبھی کسی دشمن کے ساتھ بھی نہ ہو۔'' ایشال کی آواز میں افسردگی تھی۔

''یا اللہ خیر...... ایشو بی بی اب ایسا وی کیا ہویا ہے جی...... جھٹی دسو میرا تو دل ڈوبا جا رہا ہے۔'' اب کے پنو بھی پریشان ہوئی۔

پھر کیا تھا...... ایشال نے ڈاکٹر عمر کے حوالے سے اپنے ساتھ ہونے والا قصہ ان دونوں کے گوش گزار کر دیا جسے سنتے ہوئے عنایہ اور پنو کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

''مجھے اتنی بیستی (بے عزتی) محسوس ہو رہی ہے اور تم ہنس رہی ہو؟'' ایشال نے اپنے قریب رکھا کشن اٹھا کر عنایہ کو مارا۔

''تو تم نے لاؤڈ اسپیکر اپنے گلے میں فٹ کر کے علینہ سے عمر بھائی کے حوالے سے اس طرح کی گوسپ نہیں کرنی تھی ناں......'' ہنس ہنس کر عنایہ کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

''تو مجھے کیا معلوم تھا کہ عمر بھائی کے کان اتنے باریک ہوں گے...... یا وہ دوسرے کمرے میں بیٹھے میری باتیں اتنی آسانی سے سن لیں گے۔'' ایشال جھنجلائی۔

''اینی ویز جو بھی ہوا بہت برا ہو۔'' عنایہ نے کہا۔

''تو اور کیا...... ٹینشن سے میرا تو سر پھٹ رہا ہے۔'' ایشال اپنے ٹیڈی بیئر کو اٹھائے بیڈ سے اٹھ کر انٹر کام کی طرف آئی۔

''اسلم میرے لیے اچھی سی کافی بنا کر روم میں بھیجو۔'' ایشال نے انٹر کام پر بٹلر کو ہدایت کی...... اور واپس بیڈ پر آ گئی۔

''پنو، دادو جاگ رہی ہیں؟''

''نہیں ایشو بی بی، وڈی اماں تو ظہر کی نماز پڑھ کر سوگئی تھیں جی۔'' ایشال نے اثبات میں سر ہلایا۔

''پینو اب بس کرو۔'' عنایہ نے پاؤں سمیٹ لیے...... پینو جو عنایہ کے پیروں پر لوشن لگا رہی تھی اٹھ کر واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی۔ عنایہ سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''ایشو ویسے آج تمہارے ساتھ ہوا بہت برا ہے۔''

''عمر بھائی کی موجودگی میں ہمیشہ میرے ساتھ ایسے ہی کیوں ہوتا ہے اور یہ بات مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔''

''عمر بھائی دل کے بہت اچھے ہیں، بس وہ خاصے پنکچوئل آدمی ہیں۔ اصول پسند، سنجیدہ مزاج سے اور اگر وہ تمہیں کسی بات پر ڈانٹ بھی دیتے ہیں تو وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہی کہتے ہیں...... تاکہ تم اپنے فیوچر کے بارے میں سنجیدہ ہو جاؤ۔'' عنایہ نے بڑی بہن ہونے کے ناتے ایشال کے دل سے ڈاکٹر عمر کے لیے بھری بدگمانی نکالنی چاہی۔

ایشال خاموش رہی۔

اس دوران پینو بھی گیلے ہاتھ اپنے دوپٹے کے پلو سے خشک کرتے ہوئے آ گئی تھی۔

''ایشو بی بی میں آپ کے سر کا مساج کر دیتی ہوں۔ فوراً آپ کے سر کی پیڑ (درد) دور ہو جائے گی۔'' وہ ایشال کے سر کا مساج کرنے بڑھی۔

''پینو تم سچ میں بہت اچھی ہو۔'' اس کے مساج کرنے سے ایشال کو سکون ملنے لگا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

''بس ایشو بی بی چنگی (اچھی) تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ جس نے آپ کے دلاں دے وچ مجھ حقیری بندی کے لئے انس ڈال رکھی ہے۔ جو چھاں جو تحفظ اور جو پیار مجھے یہاں اس کار (گھر) میں ملا ہے اگر نہ ملتا تو پینو پتا نہیں کتھے دھکے کھا رہی ہوتی۔'' پینو کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''پینو تم پچھلے آٹھ سال سے ہمارے ساتھ ہو۔ ڈونٹ وری تم ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو گی۔'' عنایہ نے موبائل ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے اس کو تسلی دی۔

''اللہ آپ دونوں بہنوں کو ہمیشہ خوش رکھے جی۔''

''او کے میں چلتی ہوں میرے جم کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' عنایہ بیڈ سے اٹھی۔ اسی اثناء میں اسلم دروازہ ناک کر کے ایشال کی کافی لے آیا تھا۔

''تھینکس پینو...... اب بس کرو...... میں کافی پی لوں۔'' پینو اور اسلم کمرے سے باہر نکل گئے۔

''ایشو اگر تمہیں آج ٹائم ملے تو سیلون چلی جانا...... تمہارے بال بہت عجیب اور روکھے ہو رہے ہیں...... اور تمہارا فیس بھی رف ہو رہا ہے۔'' تھوڑی دیر بعد عنایہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس، سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی، موبائل اور گلاسز اٹھاتے ہوئے ایشال سے مخاطب تھی۔

''ہاں میں ابھی کال کر کے اپائنمنٹ لے لیتی ہوں۔'' عنایہ اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''چھوٹو یار اب اٹھ جاؤ۔'' اقصم بہت گہری نیند سو رہا تھا اور وہ اس کے سرہانے کھڑی مسلسل اسے جگا رہی تھی۔

تو اس نے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے کھڑی مناب کو دیکھا...... بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ اس لڑکی کا

ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھا لے۔ اسے اپنے قریب کر لے اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس سے پوچھے کہ یہ کب، کیسے اور کتنا عجیب کھیل کھیلا ہے تم نے میرے دل کے ساتھ...... کہ یہ دل اب تمہارے علاوہ کسی کے ذکر پہ یوں دھڑکتا ہی نہیں۔ یہ تمہارے علاوہ اب کسی کی سنتا ہی نہیں، کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟ چپکے چپکے تمہاری اس محبت نے کیسا کھیل کھیلا ہے مجھ سے؟ سنہرے سپنے دکھا کر ایک تاریک راستے پر گامزن کر دیا مجھے...... وہ سفر جس کی کوئی منزل ہی نہیں...... بس چلتا چلا جا رہا ہوں میں...... واپسی کا راستہ مل رہا ہے نہ آگے منزل دکھائی دے رہی ہے۔'' تب اس کے اندر کوئی کرب سے بولا تھا۔

''محبت کی تاریک گھاٹیوں سے نکلنے کا منتر آج تک کوئی نہیں جان سکا...... جو اس سفر پر ایک بار گامزن ہو جائے، اسے کبھی یوٹرن نہیں ملتا۔''

''چھوٹو کہاں کھو جاتے ہو تم؟ میں کتنی دیر سے تمہیں جگا رہی ہوں۔'' مناب جھنجلائی۔ ''ہمیں بروقت یہاں سے نکلنا ہے۔'' اقصم نے جمائی لیتے ہوئے اپنے اوپر سے کمبل ہٹایا۔

''اٹھ رہا ہوں...... آپ بے فکر رہیں...... تھوڑی دیر میں آپ کو کالج پہنچا دوں گا۔ آپ کی کلاس مس نہیں ہونے دوں گا میں۔'' اقصم نے بستر سے اٹھتے ہوئے اسے تسلی دی۔ اس کی آنکھیں اب بھی نیند سے بند ہو رہی تھیں۔

''اوکے میں ناشتا بناتی ہوں تب تک تم شاور لے کر فریش ہو جاؤ۔'' مناب دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

''ویسے آپ بڑے ظالمانہ طریقے سے جگاتی ہیں۔'' اقصم کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''تم اگر اب بھی نہیں اٹھتے تو میں تم پر پانی پھینکنے والی تھی۔'' مناب ہنسی۔

''میں اتنا اچھا خواب دیکھ رہا تھا۔ آپ کے جگانے سے ٹوٹ گیا۔'' وہ واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

''خواب ہوتے ہی ٹوٹ جانے کے لیے ہیں...... اس لیے ان پر افسوس کرنا فضول ہے۔'' مناب کی بات پر وہ دھیرے سے سر ہلا کر واش روم میں گھس گیا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ کچن میں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے... ناشتا کر رہے تھے۔

''آپ سب کچھ اتنا مزے کا بناتی ہیں کہ میں تعریفیں کر کر کے تھک گیا ہوں۔'' اقصم چھری اور کانٹے کی مدد سے اپنی پلیٹ میں رکھا اسپینش چیز آملیٹ بہت شوق سے کھا رہا تھا۔

''تو کس نے کہا ہے تم تعریف کرو...... میں جانتی ہوں میرے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔'' مناب کافی پیتے ہوئے مسکرائی۔

''ارے آپ تو کچھ کھا نہیں رہیں؟''

''میرا ناشتا ایسا ہی ہوتا ہے...... ایک کافی کا مگ اور بران بریڈ (چوکر والی ڈبل روٹی) کا ایک سلائس......''

''اسی لیے آپ اتنی دبلی پتلی اور عمر چور دکھائی دیتی ہیں۔'' اقصم مسکرایا۔

''عمر چور......؟ کیا مطلب ہے بھئی تمہارا؟''

''مطلب یہ کہ آپ اپنی عمر سے بہت کم نظر آتی ہیں...... ستائیس کے بجائے بائیس، تئیس سال کی لگتی ہیں آپ۔'' مناب اس کی رائے پر ہنس پڑی۔

''کم آن چھوٹو لگنے سے کیا ہوتا ہے...... میں ستائیس سال کی ہوں اور مجھے بائیس سال کی نظر آنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''آپ بھی کمال کرتی ہیں...... لڑکیاں تو اپنی عمر کے حوالے سے بڑی کانشس ہوتی ہیں...... کہ ان کی اصل عمر

کے بارے میں کسی کو پتا نہ چل جائے مگر آپ کی سوچ اس معاملے میں بڑی عجیب ہے۔''

''عجیب نہیں ہے چھوٹو...... میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ حقیقتوں کو کسی بھی صورت جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

اب کے مناب کی بات پر اس نے خاموشی اختیار کرنی ہی بہتر سمجھی تھی۔ وہ ایک رائٹر تھی اور اس کے پاس ہر بات کا جواب موجود ہوتا تھا پر وہ شاید یہ بات بھول گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اقصم اپارٹمنٹ کو لاک لگا رہا تھا اور مناب اس کے پاس کھڑی تھی۔ مناب نے اپنا لیپ ٹاپ والا بیگ ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ اقصم نے لاک لگانے کے بعد اس کا ہینڈ کیری پکڑا۔

''لائیں یہ بھی مجھے پکڑا دیں۔''

''اٹس او کے یہ اتنا وزنی نہیں ہے۔''

''او کے۔'' وہ دونوں ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ کی طرف آئے۔

اقصم نے اس کا سامان گاڑی میں رکھا...... تب تک مناب بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی...... اقصم گاڑی پارکنگ سے نکال کر مین روڈ پر لے آیا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

''خاموش کیوں ہیں؟ کہیں ولی بھائی تو نہیں یاد آ رہے؟'' اقصم نے ایک لمحے کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''بھلا مجھے ولی کو یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو ہر وقت میرے دل میں رہتا ہے۔'' مناب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''دل...... یہ کم بخت دل......'' دل میں سوچتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ پہ مکا مارا۔

''کیا ہوا؟'' مناب حیران ہوئی۔

اقصم کا جی چاہا کہ گاڑی یہیں بیچ راستے میں روک کر اسے چیخ چیخ کر بتائے کہ تم ایک قاتل ہو...... !تم نے میرے اندر کا ایک ہنستا ہوا انسان مار ڈالا ہے۔

''چھوٹو کیا ہوا؟'' مناب نے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''کچھ نہیں...... ایک ضروری چیز گھر بھول آیا ہوں۔'' اس نے دھیرے سے وضاحت کی...... اور پھر باقی کا راستہ وہ خاموش ہی رہا۔

مناب گاڑی میں چھائی خاموشی توڑنے کے لیے کوئی بات کرتی تو وہ جواب دے دیتا۔ مناب بہت عرصے کے بعد اس سے یوں ملی تھی۔ اور وہ اس کے لیے بہت فکر مند ہو گئی تھی۔ وہ بچپن سے جس اقصم کو جانتی تھی...... وہ یہ اقصم نہیں تھا۔ وہ اقصم ہمیشہ خوش رہنے والا، نٹ کھٹ سا...... دوسروں کو خوش رکھنے والا ایک شور مچاتے جھرنے جیسا لڑکا تھا۔ اور یہ والا اقصم ایک جھیل کی طرح تھا...... خاموش...... اس خاموشی کے اندر کتنے طوفان چھپے ہوئے تھے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ مناب نے اس اقصم کا مزاج تیزی سے بدلتے ہوئے دیکھا تھا۔ کبھی وہ خوش ہوتا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ اداس ہو جاتا۔ وہ کچھ کہتا اور پھر کہتے کہتے رک جاتا۔ وہ بات کرتا اور پھر بات کرتے، کرتے کہیں کھو جاتا۔ وہ مناب کو ایک پہیلی کی طرح لگ رہا تھا...... جسے بوجھنے کی کوشش میں خود مناب بھی الجھ گئی تھی۔

انہی سوچوں میں ڈوبے کب وہ لندن پہنچ گئے۔ احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ اقصم نے جب اسے اس کے فلیٹ کی بلڈنگ کے باہر اتارا تو مناب نے اسے اوپر آنے پر بہت زور دیا تھا۔

''چھوٹو چلو ناں...... میرے ساتھ اندر تو آؤ...... لنچ تم میرے اور فامیہ کے ساتھ کرو...... پھر واپس چلے جانا......'' مناب نے اصرار کیا۔

''تھینکس...... آپ پلیز جائیں...... مجھے واپس بھی جانا ہے۔''

''او کے ایز یو وش...... تم اپنا بہت خیال رکھنا۔ مجھے تمہاری بہت فکر رہے گی۔''

مناب کی بات پر اقصم تلخی سے مسکرایا تھا۔

مناب اس کا شکریہ ادا کر کے اندر بڑھ گئی تھی۔ اور وہ کتنی ہی دیر وہاں بے مقصد کھڑا رہا تھا...... یہ دو دن جو مناب نے اس کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں گزارے تھے وہ اس کی زندگی کے یادگار دن تھے۔ آج جب وہ اسے چھوڑ کر واپس آرہا تھا تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھری دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا ہو۔

☆☆☆

شام کے چھ بج رہے تھے جب ایشال سیلون سے واپسی پر ساجدہ پھپو کی طرف آگئی تھی۔ گیراج میں ڈاکٹر عمر کی گاڑی دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کا دل گھبرایا تھا مگر اگلے ہی لمحے...... ساجدہ پھپو کا خیال آتے ہی اس کا اعتماد بحال ہو گیا تھا کیونکہ وہ ان کی بھی بے پناہ لاڈلی تھی۔

''السلام علیکم......!'' وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو ساجدہ پھپو اسے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتے ہوئے نظر آئیں۔

''وعلیکم السلام...... میری ایشو آئی ہے۔'' ساجدہ بیگم نے محبت سے اسے خود سے لپٹا کر اس کا ماتھا چوما۔

''پھپو آپ تو ہم سے ملنے آئی نہیں...... میں نے سوچا کہ میں ہی اپنی پھپو سے مل آؤں۔'' اب ایشال ان کے پاس صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

''بس میری جان پچھلے دنوں کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس لیے گھر سے نکلنے کو دل بھی نہیں چاہا۔ مگر آج میں تمہیں اور عنایہ کو بہت یاد کر رہی تھی۔''

''جھوٹ بالکل جھوٹ...... آپ کو ہماری یاد آئے تو آپ ہر روز ہماری طرف آئیں۔'' ایشال نے انہیں خفگی دکھائی...... وہ ایسے ہی ساجدہ بیگم کو نخرے دکھایا کرتی تھی۔

ساجدہ بیگم مسکرائیں...... ''پگلی جن سے پیار ہوتا ہے ضروری نہیں کہ ان سے روز ملا جائے...... اپنے پیاروں کی محبت تو دل میں ہمیشہ بسی ہی رہتی ہے۔ چاہے ان سے روز نہ بھی ملا جائے۔ ان کے لیے دل میں موجود محبت کبھی کم نہیں ہوتی۔''

ساجدہ بیگم نے اسے بڑے پیار سے لپٹایا۔

''میری جان، تم اور عینی تو میرے پیارے مرحوم بھائی کی اولاد ہو...... تم دونوں مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہو......'' ساجدہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ایشال کی آنکھوں میں بھی آنسو جگمگا گئے۔

''پھپو...... مما اور بابا کے بعد جس طرح سے آپ نے اور بڑے پاپا نے ہمیں پیار دیا ہے اور جس شفقت سے پالا ہے...... اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔'' ایشال کو سنجیدہ دیکھ کر ساجدہ بیگم مسکرائیں۔

''تم دونوں بہنوں میں ہی ہم سب کی جان اٹکی رہتی ہے۔''

''اور آپ کا ہٹلر بیٹا ہمیشہ میری جان نکالنے کے چکروں میں رہتا ہے۔'' ایشال نے دل میں سوچا۔

''پھپو آپ نے بس ایویں خود کو ہر وقت گھر کے کاموں میں بزی کر رکھا ہوتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ روز نور منزل آیا کریں......'' ایشال نے خوش دلی سے ان کے گلے میں بازو ڈالے۔

''ہاں تو یہ اچھی بات ہے ناں اگر میں خود کو بزی نہ رکھوں تو بیمار پڑ جاؤں گی۔ بستر سے لگ جاؤں گی۔''

ساجدہ بیگم نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''اللہ نہ کرے پھپو آپ کو کبھی کچھ ہو۔'' ایشال نے پیار اور لاڈ سے اپنا سر ان کے کندھے سے ٹکا لیا......

''دوپہر میں عمر آیا تو میں اس سے تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔''

''یقیناً میری شکایتیں ہی لگا رہے ہوں گے۔'' ایشال نے منہ پھلایا۔

''میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے تمہاری شکایتیں لگانے کے لیے......'' ڈاکٹر عمر ہاتھ میں شرٹ پکڑے نہ جانے کہاں سے اچانک نازل ہوئے تھے کہ انہوں نے ایشال کی بات سن کر اسے یوں جواب دیا تھا۔

''السلام علیکم......!'' وہ جزبزی ہو کر سیدھی بیٹھ گئی۔ جانے آج کل ایشال کے ستارے کیوں گردش میں تھے۔

''وعلیکم السلام......'' سلام کا جواب دینے کے بعد وہ ساجدہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔

''مما میرے کپڑے پریس ہو کر نہیں آئے کیا؟''

''نہیں بیٹا......فیضو (ملازم) کہہ تو رہا تھا کہ آج دھوبی دے جائے گا مگر ابھی تک وہ نہیں دے کر گیا۔''

''اور یہ فیضو کہاں ہے؟''

''بیٹا وہ تو مارکیٹ تک گیا ہے کچن کی ایک دو چیزیں لانی تھیں۔''

''او کے مما پھر آپ ثریا سے کہیں یہ شرٹ پریس کر دے۔'' ڈاکٹر عمر نے شرٹ ان کی طرف بڑھائی۔

''عمر بیٹا میں تمہاری شرٹ خود پریس کر دیتی ہوں۔ ثریا (ملازمہ) کا بچہ بیمار ہے آج وہ جلدی کوارٹر چلی گئی تھی۔''

''اب کیسا ہے ثریا کا بیٹا؟''

''صبح تم نے جو اسے میڈیسن دی تھیں اس سے کافی بہتر ہے۔''

''او کے...... مما مجھے دیر ہو رہی ہے اسپتال سے...... میں اپنے روم میں ہوں...... آپ پلیز میری شرٹ پریس کر کے وہیں لے آیئے گا۔'' اپنی بات مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر عمر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے......اور وہ ساجدہ بیگم کے ساتھ اسٹور روم میں چلی آئی۔

ساجدہ بیگم نے آئرن اسٹینڈ پر رکھی استری کا سوئچ آن کیا۔

''لائیں پھپو میں پریس کر دیتی ہوں شرٹ......'' ایشال نے بلاوجہ آفر کی...... حالانکہ اسے مردانے کپڑے تو پریس کرنا بالکل نہیں آتے تھے۔

''ارے نہیں میری جان میں کر لیتی ہوں اور ویسے بھی تمہیں کہاں یہ کپڑے پریس کرنے آتے ہیں؟''

''آتے تو نہیں پھپو......مگر میں کر سکتی ہوں۔'' ایشال نے ان کے ہاتھ سے استری لیتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''رہنے دو ایشو کہیں تم کپڑے پریس کرتی خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھو......'' ساجدہ بیگم کے لہجے میں تشویش تھی۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا پھپو...... آپ سب نے تو مجھے بس ایویں ہی سمجھ رکھا ہے۔'' ایشال بلاوجہ الفی شینسی دکھاتے ہوئے شرٹ پریس کرنے لگی شاید وہ ان کی شرٹ پریس کر کے .... اپنی اس خفت کو، اپنی اس شرمندگی کو مٹانا چاہتی تھی جو آج دوپہر سے لے کر اب تک اسے اٹھانی پڑ رہی تھی۔

''لو بھئی تم پھر اسے پریس کرو...... آج صبح میں نے شامی کباب بنائے تھے میں ذرا تمہارے لیے وہ فرائی کر لوں۔''

''ڈونٹ وری پھپو...... میں ابھی آپ کے پاس آتی ہوں۔'' ساجدہ بیگم کے اسٹور روم سے نکلنے کے بعد وہ شرٹ پریس کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی دوران اس کا سیل فون بج اٹھا...... عنایہ اسے کال کر رہی تھی۔

''ہیلو!'' ایشال نے کال ریسیو کی۔

''کہاں ہو ایشو......؟ میں جم سے واپس بھی آگئی ہوں اور تم نے سیلون میں اتنی دیر لگادی؟ مجھے تمہارے ساتھ شاپنگ مال جانا تھا۔''

''عینی میں فارغ ہو کر پھپو کی طرف آگئی تھی۔''

''پھپو کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں، تمہیں بہت یاد کر رہی ہیں۔''

''او کے تم پھپو کو میرا اسلام کہنا۔ میں تھوڑی دیر تک تمہیں وہاں سے پک کرلوں گی۔ تم ڈرائیور کو واپس بھیج دو۔''

''او کے......'' ایشال کال سن کر پلٹی تو اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔ کال سننے کے دوران اسے شرٹ کے اوپر سے استری اٹھا کر سائیڈ پر رکھنا یاد ہی نہیں رہا تھا۔

ڈاکٹر عمر کی شرٹ استری سے بری طرح جل چکی تھی۔

''اوگاڈ......! میری نیکیاں ہمیشہ میرے گلے کیوں پڑ جاتی ہیں؟''

''مما بھئی کہاں ہیں آپ، ابھی تک میری شرٹ پریس نہیں ہوئی کیا؟'' ڈاکٹر عمر ماں کو ڈھونڈتے ہوئے اسٹور میں داخل ہوئے تو اپنے سامنے ایشال کو اور پھر اس کے ہاتھوں میں اپنی جلی ہوئی شرٹ دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔

''تم......؟ اور...... یہ شرٹ تمہارے ہاتھ میں؟'' وہ غصے میں آگے بڑھے۔

ایشال نے چہرہ جلی ہوئی شرٹ کے پیچھے چھپالیا۔

''مم...... مجھ...... سے...... جل...... گئی...... آپ کی شش...... شرٹ......'' وہ بری طرح سے ہکلائی۔

ڈاکٹر عمر نے غصے میں ہاتھ بڑھا کر شرٹ کھینچ کر اس کے چہرے سے ہٹائی تو ایشال نے آنکھیں میچ لیں۔

''انتہا درجے کی اسٹوپڈ ہو تم...... جو کام انسان کو سرے سے ہی نہ آتا ہو تو اسے دوسروں کے سامنے کبھی شیخی دکھانے کے لیے بھی نہیں کرنا چاہیے۔'' اسے ڈاکٹر عمر کی سخت نظریں اپنے چہرے پر گڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''وسس...... سوری...... عمر بھائی...... مم...... میں تو پھپو کی ہیلپ کرنے کی کک...... کوشش کررہی تھی...... پتا نہیں یہ کیسے...... جل گئی۔''

''مما کو پتا بھی ہے کہ تم ایک نان سیریس قسم کی لڑکی ہو...... تمہاری ہیلپ ہمیشہ دوسروں کے لیے مہنگی ہی پڑتی ہے پھر بھی...... میری فیورٹ شرٹ تمہیں پریس کرنے کے لیے دے دی۔''

ڈاکٹر عمر نے شرٹ آئرن اسٹینڈ پر پھینکی اور اسٹور روم سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم...... بڑی اماں کے کمرے میں موجود تھے...... پینو چائے کی ٹرالی وہیں لے آئی تھی...... اور انہیں چائے سرو کر رہی تھی۔

''داؤد میرے بچے، اپنے ملک کو چھوڑ کر کیا ضرورت تھی ملائشیا میں نئی فیکٹری لگانے کی؟''

نور بیگم اپنی راکنگ چیئر پر براجمان تھیں...... پینو کے ہاتھ سے چائے کی پیالی پکڑتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوئیں۔

''اماں جی ہمارے ملک کے آج کل جو حالات چل رہے ہیں اس صورتِ حال میں یہاں مزید پیسہ انویسٹ کرنا سراسر بے وقوفی ہے۔ یہاں لوگوں کے چلتے کاروبار تباہ ہو گئے ہیں...... لوڈ شیڈنگ سے لوگوں کی فیکٹریاں اور ملیں بند ہو رہی ہیں...... لوگ اپنے ملک کو چھوڑ کر...... بنگلا دیش، ملائشیا اور دوسرے ملکوں میں نئی فیکٹریاں لگا رہے ہیں۔ اماں جی اسی لیے میں نے بھی زارون ٹیکسٹائل کے نام سے ملائشیا میں نئی فیکٹری لگانے کا فیصلہ کیا ہے......

اپنے ملک میں ٹیکس دینے کے باوجود ہمارے لیے مسائل کے انبار لگ رہے ہیں۔“
داؤد چوہدری چائے کے سپ لیتے ہوئے بولے۔
”ہاں بیٹا کہتے تو تم بالکل ٹھیک ہی ہو...... یہاں کے حالات دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے مگر یہ ملک ہمارا ہے، ہمیں ہی اسے ٹھیک بھی کرنا ہے۔“ نور بیگم بھی دکھی ہوئیں۔
”چھوڑیں داؤ داس ٹاپک کو...... خواہ مخواہ بی پی ہائی ہو جائے گا آپ کا بھی اور اماں کا بھی۔“ سمیرا بیگم چائے پیتے ہوئے مسکرائیں۔
”بس بہو...... یہ ملک ہماری شناخت ہے...... بہت اچھا وقت گزرا ہے یہاں ہمارا...... جس درخت کی چھاؤں تلے انسان ستانے بیٹھتا ہو اس درخت کی شاخیں کاٹ کر اس کی چھاؤں ختم کر دی جائے تو...... ستانے والوں کا چھاؤں کی فکر کرنا عجیب بات نہیں...... اور پھر اس ملک کو تو ہم نے بہت قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا... بہرحال...... وہی وقت اچھا تھا کم از کم زندگیوں میں سکون تو تھا۔“
داؤد چوہدری نے چائے کی خالی پیالی ٹرالی میں رکھی۔
نور بیگم نے ایک طویل سانس لی......
”میں نے صبح اقصم سے بات کی تھی...... ماشاء اللہ آواز سے تو بالکل ٹھیک لگ رہا تھا۔“ انہیں اچانک اقصم کا خیال آیا۔
”جی اماں شکر ہے اب تو اقصم بالکل ٹھیک ہے، بتا رہا تھا کہ مناب دو دن اس کے پاس ہی رہی اور اس نے اقصم کا بہت خیال رکھا۔“ سمیرا بیگم نے انہیں تفصیل سے بتایا۔
”ساجدہ آپا نے اصغر بھائی (بہنوئی) کی وفات کے بعد جس طرح سے عمر اور مناب کی تربیت کی انہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ بنایا وہ نہایت قابلِ تعریف ہے۔ مناب کو دیکھ کر ہمیشہ میں سوچتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے ایک اور بیٹا دیا ہوتا تو یقیناً میں اس کے لیے مناب کا انتخاب کرتا۔“
داؤد چوہدری کے انداز اور لہجے میں خوشی تھی...... تفاخر تھا۔
”ہاں یہ تو ہے...... بہر حال ولی بھی بہت اچھا لڑکا ہے...... اللہ اسے ولی کے ساتھ خوش رکھے۔“ سمیرا بیگم نے بھی تائید کی۔
”اماں میں ایک بات سوچ رہا تھا۔ زارون کی شادی کے بعد اقصم اور ایشال کی باقاعدہ منگنی نہ کر دی جائے؟“ انہوں نے ماں سے رائے لی۔
”ہاں بیٹا تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... یہ جو دونوں ہر وقت چونچیں لڑاتے رہتے ہیں، ہر وقت ایک دوسرے سے بحث و تکرار اور لڑائی جھگڑوں میں وقت برباد کرتے ہیں...... کم از کم اس سے تو ہماری جان چھوٹے گی۔“ نور بیگم کے انداز پہ داؤ داور سمیرا دونوں ہی مسکرا دیے۔
”اقصم کے آنے میں چند مہینے ہی تو رہ گئے ہیں، زارون کی شادی پہ آئے گا تو میں اس سے ایشال کے حوالے سے بات کروں گی۔“ سمیرا بیگم نے ارادہ ظاہر کیا۔
”ایشال سے یاد آیا۔ بھئی کہاں ہیں میری دونوں بیٹیاں...... نظر نہیں آ رہیں؟“ داؤد چوہدری نے فکر مندی سے پوچھا۔
”دونوں کہیں باہر نکلی ہیں۔“
”اچھا اسی لیے گھر میں رونق نہیں ہے...... خاص طور پر ایشو گھر میں ہو تو کچھ نہ کچھ الٹا سیدھا ہوتا رہتا ہے گھر

میں۔'' داؤد مسکرائے۔

''تو اور کیا...... پچھلے دنوں تو ایشو نے میرا بی پی تک غلط چیک کیا۔ وہ تو بھلا ہو عمر کا...... وہ آیا اس نے دوبارہ مجھے چیک کیا تو پتا چلا کہ ایشو کا تو بی پی آپریٹس ہی خراب تھا۔'' نور بیگم نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو تفصیل بتائی تو داؤد کے ساتھ سمیرا بھی ہنسنے لگیں۔

''پھر تو ایشو کو ڈانٹ پڑی ہوگی عمر سے۔'' داؤد چوہدری صوفے سے اٹھتے ہوئے بولے۔

''ہاں عمر تو کہہ رہا تھا اس غیر سنجیدہ لڑکی کو ڈاکٹر بنا کر ہم نے اچھا نہیں کیا۔''

نور بیگم کی بات پر مسکراتی ہوئی سمیرا بیگم بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔'' اماں اسی لیے تو عمر کے ساتھ ایشو کو ایڈجسٹ کروایا ہے۔ اس کے سنجیدہ مزاج سے، رعب دار شخصیت سے ڈرتی ہے ایشو اور عمر جیسے ذمّے دار بندے کے ساتھ کام کرے گی تو اس کے مزاج میں بھی سنجیدگی آجائے گی۔''

''اللہ کرے میرے بچے، ایسا ہی ہو...... ورنہ یہ بیل تو منڈھے چڑھتی دکھائی نہیں دیتی۔'' وہ دونوں ہنسنے لگے۔

''اماں اب ہمیں اجازت دیجیے...... ہمیں ایک ڈنر پر جانا ہے۔'' داؤد چوہدری نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی۔

''اچھا میرے بچوں اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے۔'' دونوں ماں سے اجازت لے کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ پینو جب چائے کی ٹرالی کچن میں چھوڑ کر دوبارہ نور بیگم کے کمرے میں آئی تو وہ چھڑی کے سہارے چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ چکی تھیں۔ پینو...... ان کے پاس بیٹھ کر ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔

''پینو تم ذرا وہ ڈراما تو لگا دو...... جو مجھے بہت پسند ہے۔'' نور بیگم نے فرمائش کی۔

''وڈّی اماں، کمال ہے، آپ کے ساتھ چووی (چوبیس) گھنٹے صائمہ چوہدری والا ڈراما دیکھ دیکھ کے میرا دماغ پُٹھا (الٹا) ہو گیا پر آپ کو ابھی اس ڈرامے کا ناں وی یاد نہیں ہویا۔''

پینو نے ڈراما سیریل ڈولی کی آئے گی بارات کی سی ڈی لگاتے ہوئے نور بیگم سے بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے ڈرامے کے نام سے کیا لینا دینا...... مجھے تو بس صائمہ چوہدری پسند ہے میں تو اسی کے لیے دیکھتی ہوں یہ ڈراما......'' نور بیگم نے اس ڈرامے کی پوری سیریز دیکھ رکھی تھی...... اور ان کے پاس تمام کی سی ڈیز موجود تھیں۔ وہ ذرا سا بھی بور ہوتیں تو پینو سے یہی سی ڈی لگوالیا کرتیں...... ان کے ساتھ، ساتھ پینو کو بھی یہ ڈراما ہر روز دیکھنا پڑتا تھا۔

☆☆☆

سارہ جب مجھے دل کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو سیما بیگم اسے دیکھ کر حیران ہوئیں...... اور اس سے زیادہ حیران اس کی آنکھوں میں سجا کاجل دیکھ کر ہوئیں۔

''تم نے تو کہا تھا کہ تم دیر سے گھر آؤ گی؟ اور یہ کاجل کہاں سے آنکھوں میں لگا لیا تم نے؟''

سارہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اس کے پیچھے چلی آئیں۔

''ہاں دیر سے ہی گھر آنا تھا اماں...... مگر حنا آج خود کالج آگئی تھی...... اب وہ کافی بہتر ہے اور اسی نے میری آنکھوں میں کاجل لگایا ہے۔ آج کل وہ پارلر کا کام سیکھ رہی ہے۔''

سارہ نے بہانہ بنایا...... چادر اتاری اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''زویا آپی نہیں آئیں؟''

''زویا باتھ روم میں ہے...... چل تو پھر کپڑے بدل لے اور روٹی بنا لے۔''

''اماں آج میرے سر میں بہت درد ہے آج زویا آپی سے کہو وہ روٹی بنا دیں گی۔'' سارہ پلنگ پر لیٹ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے میں زویا سے کہہ دیتی ہوں...... میں نے پیاز انڈے بنا دیے تھے۔'' سیما بیگم باہر جانے کے لیے اٹھیں۔

''اماں گلو کا کچھ پتا چلا؟'' سارہ نے فکرمندی سے پوچھا۔گلو دو دن سے گھر نہیں آیا تھا اور اس کا فون بھی بند تھا۔

''نہیں...... نہ جانے کہاں دفع ہو گیا ہے یہ لڑکا...... تیرے ابا اسی کا پتا کرنے گئے ہیں۔'' انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔

''پتا نہیں یہ دو دن اس نے کہاں اور کس کے پاس گزارے ہوں گے؟ زندگی میں پہلے پریشانیاں کیا کم تھیں جو یہ لڑکا اور پریشانیاں دینے پر تل گیا ہے۔'' سیما بیگم بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

اور سارہ پلنگ پر لیٹی...... اسجد کے بارے میں سوچنے لگی وہ اس کے بارے میں جتنا سوچتی خود کو اتنا ہی ملامت کرتی...... اسے اسجد کا اظہارِ محبت یاد آتا...... شدید گرمی اور دھوپ میں اس کا انتظار کرنا یاد آتا۔انہی سوچوں میں لیٹے، لیٹے جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ زویا ہاتھ میں ٹرے پکڑے کمرے میں داخل ہوئی۔

''سارہ اٹھو کھانا کھالو......'' اس نے پلنگ پر ایک طرف ٹرے رکھی۔

''آپی مجھے بھوک نہیں آپ کھالیں۔''

''ارے کیوں......؟ بھوک کیوں نہیں ہے تمہیں؟''

''حنا نے کینٹین سے سموسے کھلا دیے تھے...... میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ میں تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔'' سارہ کے انداز میں بیزاریت تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں تمہیں سر درد کی گولی لا دیتی ہوں تم کھا کر تھوڑی دیر سو جاؤ۔'' زویا نے دراز سے سر درد کی گولی نکال کر اسے دی۔ پانی کا گلاس اٹھا کر اسے پکڑایا۔وہ دوا کھا کر دوبارہ لیٹ گئی۔

زویا، ٹرے اٹھا کر کچن میں آ گئی...... اور وہیں چوکی پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔

''زویا میں ذرا تیری پھپو نگہت کی طرف جا رہی ہوں...... صبح سے دو بار پیغام بھیج چکی ہے۔آج سمعیہ کی سسرال والے شادی کی تاریخ لینے آ رہے ہیں...... تمہارے ابا گھر آئیں تو کہنا کہ ساتھ والے رشید کا موٹر سائیکل لے کر وہیں آ جائیں۔ میں انہی کے ساتھ واپس آ جاؤں گی۔'' سیما بیگم چادر اوڑھتے ہوئے زویا کو ہدایت دینے لگیں۔

''جی اماں...... میں کہہ دوں گی ابا سے۔'' زویا نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

''میں چلتی ہوں تم کنڈی لگا لینا......'' وہ بے فکر ہو کر باہر نکل گئیں۔

زویا نے کھانا ختم کیا...... دھونے والے برتن سنک میں رکھے اور خود دروازہ بند کرنے کے لیے صحن میں آ گئی۔

ابھی وہ دروازہ بند کرنے ہی والی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور خضر اپنی کھٹیچر سی موٹر سائیکل لے کر اندر داخل ہو گیا۔

''میرے استقبال کے لیے تم یوں راستے میں کھڑی نظر آؤ گی؟ یقین نہیں آ رہا مجھے۔'' خضر نے مسکراتے ہوئے موٹر سائیکل درخت کے نیچے کھڑی کی اور زویا سے مخاطب ہوا۔

''جی نہیں میں تمہارے استقبال کے لیے نہیں بلکہ دروازہ بند کرنے کے لیے آئی تھی۔'' وہ مسکرائی۔

''ہر وقت میرے دل میں رہتی ہو مگر مجال ہے جو تم نے کبھی میرا دل رکھنے کی کوشش کی ہو۔'' وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

زویا درخت کے نیچے چارپائی بچھا چکی تھی۔
''اماں اور ابا گھر پر نہیں ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔
''یہ تو اور بھی اچھا ہے۔'' خضر نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔
''اماں تمہاری طرف ہی گئی ہیں۔'' زویا نے سر جھکا لیا۔
''مجھے پتا ہے اسی لیے تو آیا ہوں۔''
''مگر کیوں؟''
''تمہیں دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اور کیوں......''
''دیکھ لیا ہے...... اب جاؤ...... ابا آ گئے تو کیا سوچیں گے۔'' زویا کو فکر ہوئی۔
''تو دیکھ لیں میں کون سا غیر ہوں...... تمہارا منگیتر ہوں...... اور ماموں کا بھانجا ہوں۔''
''چائے بناؤں تمہارے لیے......؟'' وہ پوچھنے لگی۔
''نہیں...... بس تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ......'' خضر اسے کلائی سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھانے لگا۔
''کیا کر رہے ہو خضر......؟'' زویا نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑانی چاہی۔
''کچھ نہیں کر رہا میں...... بیٹھو میرے پاس۔'' خضر نے اس کی کلائی پکڑے پکڑے اسے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا لیا۔
''کیا کر رہے ہو......؟ اندر سارہ سو رہی ہے وہ اٹھ گئی تو......؟'' زویا گھبرائی۔
''تو دیکھ لے یار، تم میری ہونے والی بیوی ہو۔'' خضر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے جیب سے دو ہزار نکالے اور زویا کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔
''یہ کیا ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔
''دو دن بعد تمہاری سالگرہ ہے۔ اس بار امی کو تنخواہ دیتے ہوئے یہ دو ہزار میں نے سائڈ پر رکھ لیے تھے...... میری طرف سے ان روپوں کی کوئی چیز خرید لینا۔''
''ارے نہیں خضر...... یہ بہت زیادہ ہیں، یہ میں نہیں لے سکتی۔'' زویا نے ہاتھ پیچھے کیا۔
''یہ زیادہ نہیں بلکہ بہت کم ہیں، آج کل دو ہزار کی بھلا اوقات ہی کیا ہے۔''
''مگر میرے لیے یہ بہت زیادہ ہیں خضر......''
''زویا پلیز مجھے شرمندہ مت کرو...... اور یہ رکھ لو...... مجھ پر اگر چار جوان بہنوں کی ذمے داریوں کا بوجھ نہ ہوتا تو یقیناً تمہارے ارمان، تمہارے چاؤ اپنی حیثیت سے بڑھ کر پورے کرتا......'' وہ بیچارگی سے کہہ رہا تھا۔
''سمیعہ کی شادی کے بعد مزید تین بہنوں کی ذمے داریوں سے ابھی سبکدوش ہونا باقی ہے...... نہ جانے ابھی ہمیں اور کتنے سال لگیں گے ایک ہونے میں۔'' خضر نے افسردگی سے زویا کے ہاتھ تھام لیے۔
''تم پریشان مت ہوا کرو خضر...... انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہاں ہم سب بھی انہی حالات سے نبرد آزما ہیں...... گلو کی حرکتیں روز بروز ناقابلِ برداشت ہو رہی ہیں...... اس گھر کو چلانا روز بروز مشکل ہو رہا ہے۔ اوپر سے خالد بھائی...... وہ زارا بجو کو چوتھے بچے کی ولادت کے لیے یہاں بھیج رہے ہیں...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس گھر کے حالات کب اور کیسے بدلیں گے؟''
زویا کی پریشانی دیکھ کر خضر اپنی پریشانیاں بھول گیا۔
''اس ملک میں امیر روز بروز امیر ہو رہا ہے اور غریب یہاں روز بروز مزید غریب ہو رہا ہے نہ جانے

ہمارے طبقے کو سکھ کی سانس کب نصیب ہوگی؟'' خضر حد درجہ مایوس ہوا۔
''میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنے آفس میں میرے لیے کوئی جاب ڈھونڈنا۔'' زویا کو یاد آیا۔
''مجھے یاد ہے زویا اور یہ کوئی بھولنے والی بات تھوڑی ہے، میں نے اپنے آفس میں بات کر رکھی ہے جونہی کوئی سیٹ خالی ہوئی، میں تمہیں وہاں جاب دلوانے کی پوری کوشش کروں گا۔''
زویا نے اس کی یقین دہانی پر اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆

زارون کو ملائشیا گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا...... عنایہ زارون کے بغیر خود کو بہلانے کے لیے خود کو مصروف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی...... اس وقت بھی وہ اسے بیڈ پر بیٹھی گود میں لیپ ٹاپ رکھے...... ٹیکسٹائل کے حوالے سے پرنٹ ڈیزائنگ میں مصروف تھی۔ جب اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی...... عنایہ نے موبائل اٹھا کر دیکھا اور مسکرا دی۔

اس نے لیپ ٹاپ پر کھلے پروگرام کو Minimise کیا...... اور اسکائپ پہ آن لائن ہو کر اسے وڈیو کال کی۔ اگلے ہی لمحے وڈیو کال تھرو ہوگئی اور زارون چوہدری کا مسکراتا ہوا چہرہ اسے اندر تک سرشار کر گیا۔
''کیسی ہو سویٹ ہارٹ......؟'' اس نے بڑے پیار سے عنایہ کو مخاطب کیا۔
''میں ٹھیک ہوں...... تم کیسے ہو؟ کیسا ٹائم گزر رہا ہے؟'' عنایہ نے پُرجوش ہو کر پوچھا
جواب دینے سے پہلے زارون نے اِک سرد آہ بھری۔ ''یار تمہیں بہت مس کر رہا ہوں کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ ویسے پاپا کو چاہیے تھا کہ وہ شادی کے بعد مجھے یہاں بھیجتے...... کم از کم تم تو میرے ساتھ ہوتیں۔'' وہ اداس لہجے میں بولا۔
''انشاء اللہ چند مہینوں کے بعد ہم ہمیشہ ایک ساتھ ہوں گے۔'' عنایہ مسکرائی۔
''ہاں بالکل...... تم ہی تو میری آنکھوں کی روشنی اور میرے لبوں کی مسکراہٹ ہو، تمہارے بغیر میری لائف اِن کمپلیٹ ہے۔''
فخر اور خوشی سے عنایہ کی آنکھیں اور ہونٹ مسکرانے لگے۔
''اگر میں اتنی ہی اہم ہوں تو مجھے چھوڑ کر گئے ہی کیوں؟'' زارون نے ایک طویل سانس لی۔
''مجبوری نہ ہوتی تو کبھی نہیں جاتا۔ یہ بتاؤ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟''
''ہاں سب تو ٹھیک ہیں پر میں نہیں۔''
''کیوں کیا ہوا؟'' وہ فکرمند ہوا۔
''تمہیں بہت مس جو کرتی ہوں......'' زارون اس کی بات پر مسکرایا۔
''کہتے ہیں دور جانے سے محبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔'' زارون کا انداز چھیڑنے والا تھا۔
''میں جانتی ہوں...... ہم صرف ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں...... اور ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اس یقین اور اطمینان کے لیے ہمیں ایک دوسرے سے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے زارون...... ہم ایک بے تاب آرزو کی طرح ایک دوسرے کے دل میں دھڑکتے ہیں۔''
''ہاں ٹھیک کہتی ہو تم...... جو دل کے آئینے میں بسے ہوں ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر جگہ وہی دکھائی دیتے ہیں...... '' وہ جذباتی ہوا۔ اور عنایہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔
''جیسے یہاں ہر جگہ مجھے تم ہی تم دکھائی دیتی ہو۔'' زارون کے اظہار پر ایک کھنکتی ہوئی ہنسی اس کے لبوں پر بکھر

گئی تھی۔

وہ ایسا ہی تھا دل کھول کر عنایہ سے محبت کا اظہار کرنے والا...... اس کی بے پناہ تعریفیں کرنے والا اسے سراہنے والا...... اور وہ بھی زارون کی حد درجہ چاہتوں، بے پناہ محبتوں پہ کھل اٹھتی تھی...... کبھی کبھی وہ خود بھی اپنی قسمت پر رشک کیا کرتی کہ ایک کامیاب ترین ہر لحاظ سے مکمل پرسنالٹی کا حامل شخص اسے ٹوٹ کر چاہتا ہے وہ اس کے دل پر راج کرنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہے۔ ان کے سوشل سرکل کی تمام لڑکیاں عنایہ کی قسمت پر رشک کیا کرتی تھیں۔ ان دونوں کا شمار اپنی سوسائٹی کے چند پرفیکٹ اور خوب صورت ترین کپلز میں ہوتا تھا۔ ایک مکمل زندگی نے ان کے گرد اپنی محبت کے پر پھیلا کر انہیں اپنی آغوش میں لے رکھا تھا مگر وہ دونوں یہ نہیں جانتے تھے کہ زندگی اگر اپنی خوب صورتی دکھاتی ہے تو بدصورتی بھی دکھاتے دیر نہیں لگاتی۔ اگر محبت اپنے پر پھیلا کر اپنی آغوش میں لیتی ہے تو محبت تپتی دھوپ میں پھینک کر امتحان لینا بھی جانتی ہے۔ آنے والا وقت ان کے لیے خوشیوں کے پیغام لانے والا تھا یا ان کو کڑے امتحان میں ڈالنے والا تھا؟ وہ دونوں بے خبر تھے۔ وہ دونوں انجان ایک دوسرے کی محبت میں بس گم تھے۔

☆☆☆

ایک ایمرجنسی آگئی تھی۔ جس کی وجہ سے آج ڈاکٹر عمر وقت سے پہلے اسپتال آگئے تھے۔ بچے کو پے در پے موشن اور الٹیاں آنے سے فٹس پڑ رہے تھے...... بروقت طبی امداد ڈرپ وغیرہ لگانے سے بچے کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ ڈاکٹر عمر ایمرجنسی وارڈ سے باہر نکلے تو انہوں نے ایشال کے نمبر پر میسج ٹائپ کیا...... اور اسے بتایا کہ وہ اسپتال آچکے ہیں...... تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے روم کے ساتھ ملحق سٹنگ روم میں آکر اپنے لیے کافی بنانے لگے۔ آج ڈاکٹر عمر ناشتا کیے بغیر ہی اسپتال آگئے تھے۔

اسپتال میں ٹی بوائے بھی موجود تھے جو دیگر ڈاکٹرز کو چائے وغیرہ بنا دیا کرتے تھے مگر ڈاکٹر عمر ایسے چھوٹے موٹے کام مثلاً چائے یا کافی وغیرہ خود ہی بنا لیا کرتے تھے۔ کافی کے ساتھ کوکیز لینے کے بعد وہ اپنے آفس میں اپنی مخصوص ریوالونگ چیئر پر آکر بیٹھ گئے۔ جہاں وہ اپنے پیشنٹ کو چیک کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ صبح ڈیوٹی کرنے والی نرس بھی وہاں موجود تھی۔

''ڈاکٹر ایشال ابھی نہیں آئیں؟'' انہوں نے نرس سے دریافت کیا۔

''نہیں سر، وہ ابھی نہیں آئیں۔''

''اوکے آپ سرمد سے پوچھیں...... باہر کتنے مریض ہیں؟ مجھے آج دو بجے کہیں جانا ہے...... اگر مریض ہیں تو انہیں اندر بھیجنا شروع کریں۔'' ڈاکٹر عمر کی ہدایت پر نرس اثبات میں سر ہلا کر روم سے باہر نکل گئی۔ اسی اثناء میں ان کے روم کا دروازہ کھلا تھا اور ایشال...... پرنٹڈ بلیک اور یلو کلر کے نیرو ٹائٹ پر پلین یلو کلر کا ٹاپ پہنے ماتھے پر گلاسز اور ہاتھ میں شوز کے ساتھ میچ کیا بلیک پرس پکڑے داخل ہوئی۔

ڈاکٹر عمر نے اسے سر تا پاؤں دیکھا اور بھونچکا رہ گئے...... ٹائٹ میں پھنسی اس کی ٹانگیں...... گھٹنوں سے اوپر ہاف سلیوز ٹاپ...... ڈاکٹر عمر کے ماتھے پر ابھرنے والی شکنیں دیکھ کر ایشال کو خطرے کی گھنٹیاں صاف سنائی دینے لگیں۔

''السلام علیکم......'' ایشال نے جلدی سے انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' مختصر جواب......

''یہ کس حلیے میں تم اسپتال آئی ہو؟''

''کک کیا مطلب......؟'' ایشال نے حیرت سے اپنے لباس کو دیکھا۔ وہ اور عنایہ تو عام طور پر ایسا ہی لباس پہن کر شاپنگ مالز اور مارکیٹس بھی چلی جایا کرتی تھیں۔ گھر میں تو وہ اکثر سلیولیس پہنا کرتی تھیں......اور یہ لباس تو ایشال کو اچھا خاصا معقول لگ رہا تھا۔

''تمہیں ہر بات کے مطلب سمجھانا میرے فرائض میں شامل نہیں ہے......کبھی اپنے فضول برین کا استعمال بھی کرلیا کرو...... جاؤ جا کر خود کو آئینے میں غور سے دیکھو......تمہارے گاڑی سے نکل کر یہاں تک آنے میں نہ جانے کتنے مردوں کی گندی نظریں تم پر اٹھی ہوں گی ......اندازہ ہے تمہیں؟ گھر اور پبلک پلیس میں کیا فرق ہوتا ہے......تم کیا دودھ پیتی بچی ہو کہ ہر بات تمہیں سمجھانی پڑ جائے؟'' ڈاکٹر عمر غصے میں بولتے ہوئے اپنی چیئر سے اٹھ کر اس کے سر پر کھڑے اسے بری طرح سے ڈانٹ رہے تھے۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اسپتال کے بجائے کسی فیشن شو میں آئی ہو۔'' آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی وہ منہ سے جو بات نکالتی اسے پورا کیا جاتا تھا۔ ایک ڈاکٹر عمر ہی تھے جو دھڑلّے سے اسے دو منٹ میں جھاڑ دیا کرتے تھے۔ گو کہ ڈاکٹر عمر غلط نہیں کہہ رہے تھے مگر ان کا سخت لہجہ ایشال کو اندر تک چھلنی کر گیا تھا۔

''اگر میرے اسپتال میں میرے ساتھ تم نے کام کرنا ہے تو آئندہ ایسا گھٹیا ڈریس پہن کر مت آنا...... now go back and get change your dress'' ڈاکٹر عمر نے غصے میں اپنا آخری جملہ ادا کیا اور واپس اپنی چیئر پر آ بیٹھے......ایشال سر جھکائے ان کے کمرے سے باہر نکل گئی۔ تمام راستے وہ روتی رہی تھی۔

گھر آ کر اس نے خود کو اپنے کمرے میں بند کرلیا تھا پھر وہ دوبارہ اسپتال نہیں گئی تھی۔

☆☆☆

کہتے ہیں محبت ایک پرندے کی طرح ہوتی ہے اسے سختی سے رکھو گے تو یہ مر جائے گی اور اسے نرمی سے رکھو گے تو یہ اڑ جائے گی۔

شاید سارہ کے ساتھ بھی ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک ہوئی تھی۔ اسجد دوبارہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ روز لاشعوری طور پر کالج سے چھٹی کے وقت اس کا انتظار کرتی...... کئی بار رک کر پلٹ کر دیکھتی اور مایوس ہو کر چلنے لگتی۔ اس کے دل کی حالت بھی عجیب ہوگئی تھی۔ نہ اسے بھوک لگتی نہ وہ ہنستی بولتی...... چھوٹی سے چھوٹی بات پر آج کل وہ جھنجلا جاتی۔ اپنے پاس ٹیوشن پڑھنے والے بچوں کو وہ بات بات پر جھاڑ دیتی...... وہ کوئی کام کرتی تو اس کے کانوں میں اسجد کی محبت بھری باتیں گونجتی، وہ صبح شام خود کو ملامت کرتی کہ ناحق اس نے اسجد کی محبت کو ٹھکرا دیا...... سمعیہ کی شادی میں بھی اس نے کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ زارا بجو اپنی تینوں بچیوں سمیت ان کے گھر میں آ چکی تھی...... وہ پھر بھی خاموش رہی۔ اس دن بھی وہ بے دلی سے صبح کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ جب زویا نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

''سارہ کیا بات ہے......؟ میں کئی دن سے محسوس کر رہی ہوں...... تم بہت چپ چپ رہنے لگی ہو؟''

''کچھ نہیں آپی...... بس ایگزامز ہونے والے ہیں...... پھر گھر کے حالات دیکھ کر ٹینشن سے ہنسنے بولنے کو دل ہی نہیں کرتا۔''

سارہ کی بات پہ زویا نے پیار سے اس کے کندھے پر چپت لگائی۔

''پگلی! میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔'' سارہ...... اس کی تسلی پر صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''چلو شاباش...... باہر آؤ...... مل کر ناشتا کرتے ہیں۔''

زویا اسے صحن میں لے آئی...... شاکر حسین صحن میں رکھی چیئر پر بیٹھے تھے...... ان کے سامنے ایک چھوٹی سی ٹیبل رکھی تھی جس پر چائے کا ایک کپ اور چنگیر میں رکھی روٹی سے وہ ناشتا کر رہے تھے...... سیما بیگم کچن میں روٹیاں بنا رہی تھیں...... زارا بھی ان کے پاس موڑھے پر بیٹھی تھی...... اور چائے میں روٹی ڈبو کر اپنی تینوں بچیوں کے منہ میں باری باری نوالے ڈال رہی تھی۔

اب ایک، ایک روٹی زویا اور سارہ کی ہے......'' سیما بیگم نے توے سے روٹی اتار کر الگ چنگیری میں رکھی۔

''نانی...... بھوک لگی ہے، ہمیں اور روٹی دو ناں......'' زارا کی سب سے چھوٹی تین سالہ بیٹی نے نانی سے کہا۔

''غضب خدا کا...... تم تینوں ایک، ایک روٹی کھا چکی ہو ابھی بھوک نہیں مٹی کیا......؟ یاجوج ماجوج کی اولاد کہیں کی...... اپنے باپ پر گئی ہیں تیری بیٹیاں......'' سیما بیگم نے غصے میں اپنے پاس بیٹھی زارا کو گھورا۔

''اماں یہی تو عمر ہے ان بیچاریوں کے کھانے پینے کی...... اگر تھوڑی سی اور روٹی مانگ لی بچی نے تو کون سا قیامت آ گئی ہے۔'' زارا شرمندہ ہوئی۔

''تیری آمد ہمارے لیے قیامت بن کر ہی آتی ہے...... تجھ پر جو دو مہینے ہم خرچا کرتے ہیں وہ قرض کی صورت میں ایک سال میں اترتا ہے ہمارے سر سے...... تو ان کے باپ سے کیوں نہیں کہتی کہ اپنے بچوں کی ذمے داری خود اٹھائے ہم نے انہیں پالنے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا...... یہاں تیرے باپ کی فیکٹریاں نہیں چل رہیں...... اور بھائی تیرا یہ گھر چھوڑ کر کہیں دفع ہوگیا ہے...... ہم نہ جانے کس طرح گزارہ کر رہے ہیں...... کبھی تو ہمارے حال پر رحم کر لیا کر۔ خالد جب کہتا ہے، تو بچے لے کر دوڑی چلی آتی ہے...... سمجھاتی کیوں نہیں اسے؟'' سیما بیگم کا پارہ ہائی ہو چکا تھا لہٰذا وہ بیٹی کو نان اسٹاپ کھری کھری سنا رہی تھیں۔

زارا یہ باتیں سن کر رونے لگی۔ اور اپنی تینوں بچیوں کو تھپڑ مارتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔ زویا اور سارہ کی آنکھیں بھر آئیں...... اس گھر میں ہمیشہ لڑائی غربت کی وجہ سے ہی ہوا کرتی تھی۔

''خدا کے لیے بس کر دو سیما بیگم...... اس میں بھلا میری زارا کا کیا قصور......؟ وہ ہمارے پاس نہیں آئے گی تو اور کہاں جائے گی؟ یہ گھر اس کا میکا ہے ہم نہ رہے تو کس کے پاس آئے گی وہ یہاں؟'' شاکر حسین کو ازحد افسوس ہوا۔

''ہاں میں ہی بری ہوں...... سارے قصور میرے ہی ہیں جو ایک معمولی کلرک کے ساتھ ساری زندگی نبھا کرتی رہی اور اپنی جان پر عذاب جھیلتی رہی۔ اتنی ہی پروا ہے ان بیٹیوں کی...... تو ان کے لیے کوئی ڈاکا ڈال لیا ہوتا کہیں فراڈ کر لیا ہوتا...... دنیا دفتروں میں اتنی ہیر پھیر کرتی ہے، رشوت لیتی ہے مگر آپ پر تو ساری زندگی ایمانداری کا بھوت سوار رہا۔ نہ خود ڈھنگ سے جی سکے نہ ہمیں ڈھنگ سے جینے دیا۔'' سیما بیگم غصے سے اٹھیں، ہاتھ میں پکڑا چمٹا چنگیری میں پٹخ کر کچن سے باہر نکل گئیں۔

''سیما بیگم تم تو خواہشات کی غلام عورت ہو، جس نے زندگی کی کالی راتوں میں کبھی سویرا نہیں ہونے دیا...... خواہشات کے بھنور میں پھنسی ہوئی وہ عورت ہو تم، جسے اپنا مقصدِ حیات ہی بھول گیا۔ کیونکہ تم نے ہمیشہ اپنی زندگی کو ضرورت کے بجائے خواہشات کی نذر کیا...... اری پاگل عورت، ضرورت فقیروں کی بھی پوری ہوتی ہے اور خواہشات بادشاہوں کی بھی باقی رہ جاتی ہیں...... نہ تم نے خود قناعت پسندی کی عادت اپنائی اور نہ تم نے اپنے بیٹے کو اس کا درس دیا...... تم کیا جانو عزت کمانا، دولت کمانے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے...... بے شک میں نے حرام کی کمائی سے دولت کے انبار نہیں لگائے مگر میرا دل مطمئن ہے، میرے دل میں سکون ہے کہ میں نے جو کمایا اپنی محنت سے حق حلال کمایا...... کسی کو دھوکا نہیں دیا...... کسی سے فراڈ نہیں کیا...... جُوا نہیں کھیلا...... جن چیزوں کو میرے اللہ نے حرام قرار دیا...... میں نے ان چیزوں سے پرہیز کیا۔''

''بس کریں شاکر صاحب ساری زندگی یہ کتابی باتیں کر کر کے آپ وقت گزارتے رہے ہیں...... اب ہم سے یہ عذاب نہیں سہا جاتا، نہ خیالی اور کتابی باتوں سے گزارہ ہو جاتا ہے۔'' وہ سنک پر سے ہاتھ دھو کر صحن میں بچھی چارپائی پہ آ بیٹھیں۔

''تمہاری ہر وقت کی ناشکری کی عادت، ہر وقت لعنت ملامت کرنے پر...... ہمارے گھر میں رزق سے اللہ نے اسی لیے برکت اٹھالی ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کو اور شکر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تم اسی وجہ سے ہر وقت بے سکون رہتی ہو۔'' شاکر صاحب کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''مجھے بے سکون ہی رہنے دیں...... شکر ہے آپ تو سکون میں ہیں...... دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی کھائی اور باہر نکل گئے۔ ایک میں جو ہوں یہاں سڑنے اور کڑھنے کے لیے۔'' سیما بیگم نے منہ پُھلایا اور چارپائی پر لیٹ گئیں۔

شاکر حسین خاصے دل گرفتہ ہو کر گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

''اماں خدا کے لیے آئندہ ایسی باتیں مت کرنا...... اگر زارا بجو اپنے بچوں کے ساتھ ہماری طرف آ گئی ہیں تو اللہ ان کے نصیب کا رزق بھی دے گا ہمیں...... آپ میرے حصے کی روٹی بچیوں کو دے دیں...... مجھے ناشتا نہیں کرنا...... مگر آئندہ ان بیچاریوں کو یوں طعنے تشنے مت دیجیے گا۔'' سارہ نے ازحد دکھ سے کہا اور چادر اوڑھ کر کالج کے لیے بھوکی ہی نکل گئی۔

زویا کا دل بھی خون کے آنسو رونے لگا۔ وہ چپکے سے کمرے میں آ گئی تھی اور اپنی دراز سے خضر کے دیے

دو ہزار روپے نکال لائی۔

''اماں یہ دو ہزار رکھ لیں۔ اس کا تھوڑا بہت جو بھی راشن آئے وہ لے آئیں...... میں نے اسکول کے سالانہ فنکشن پہ ایک سوٹ بنوانے کے لیے یہ جمع کر رکھے تھے مگر اب آپ اسے رکھ لیں۔''

زویا نے پیسے سیما بیگم کو دیتے ہوئے دل میں یہ اعتراف ضرور کیا کہ زندگی استاد سے زیادہ سخت ہوتی ہے استاد سبق دے کر امتحان لیتا ہے مگر زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے۔

کمرے میں بیٹھی زارا...... اب اپنی تینوں بچیوں کو خود سے لپٹائے رو رہی تھی۔

☆☆☆

رات کے دس بجے کا وقت تھا...... وہ ایک درمیانے درجے کا کوئی رہائشی علاقہ تھا۔ دو نوجوان لڑکے پچھلے ایک گھنٹے سے اس علاقے کے بینک کے سامنے بنے پلازے کی سیڑھیوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ان کے قریب ہی ان کی موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی۔ اسی اثناء میں ایک شخص موٹر سائیکل پر سوار بینک کے سامنے رکا اور بینک سے ملحق اے ٹی ایم کے کیبن کی طرف گیا۔

سامنے بیٹھے دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ اس کے بعد ایک لڑکے نے اٹھ کر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی...... اتنے میں دوسرا لڑکا بھی ہاتھ میں پکڑا موبائل اپنی جیب میں ڈال کر اس لڑکے کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا...... اس دوران اے ٹی ایم کے کیبن کا دروازہ کھلا تھا اور وہ شخص عجلت میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے ان کے قریب سے گزرا......

یہ دونوں لڑکے جو پہلے سے تیار کھڑے تھے، اس شخص کے پیچھے تیزی سے موٹر سائیکل بھگانے لگے۔

''اوئے سالے تیز چلا کہیں شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے......'' پچھلی سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے موٹر سائیکل چلانے والے لڑکے کو تنبیہہ کی تو چلانے والے نے اسپیڈ بڑھا دی۔

آگے جا کے وہ شخص یوٹرن لینے والا تھا کہ اس کے تعاقب میں یہ دونوں لڑکے موٹر سائیکل پر سوار اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ آس پاس کوئی نہیں تھا جبھی پیچھے بیٹھا لڑکا برق رفتاری سے موٹر سائیکل سے اترا اور اس شخص پر پستول تان کر دہاڑا......

''جیب میں جتنا کیش ہے جلدی نکال ورنہ اس پستول میں جتنی گولیاں ہیں تیرے بھیجے میں اتار دوں گا۔''

وہ شخص حیران پریشان، مارے خوف کے کانپنے لگا۔

''جلدی نکال جلدی......'' پستول تانے شخص نے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ مقابل شخص کپکپاتے ہاتھوں سے جیب میں سے کیش نکالنے لگا۔

''جلدی سے نکال الو کے......'' پستول تانے شخص نے اس کے ہاتھ سے پیسے جھپٹ کر اپنی جیب میں ڈالے۔ ''اب جیب سے فون بھی نکال جلدی کر۔'' اس ڈرے ہوئے شخص نے موبائل بھی نکال لیا۔

''اب اتر اس موٹر سائیکل سے۔'' پستول تانے شخص نے ایک اور مطالبہ کیا۔

''کک کیوں بھائی...... یہ تو...... مم...... مت چھینو۔''

''ابے اترتا ہے یا اتاروں تیرے بھیجے میں گولیاں......'' پستول تانے شخص نے اسے گریبان سے پکڑ کر موٹر سائیکل سے نیچے اتارا اور خود موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہ دونوں نوجوان آگے پیچھے موٹر سائیکلیں بھگاتے ہوئے اس شخص کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

(جاری ہے)